فکر انگیز مضمون

ممتاز عالمِ دین و مصنّف، حضرت مولانا مفتی ابو بکر بن مصطفی صاحب پٹنی / دامت برکاتہم العالیہ، استاذِ حدیث وفقہ وتفسیر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل / گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبانِ عربی محض ایک ذریعۂ ابلاغ نہیں، بلکہ یہ کلامِ الٰہی کا مقدّس سانچہ، شریعتِ مطہرہ کی کلید اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی امین ہے۔ جب کسی زبان کا ارتقا اس کی اپنی فطرت، مزاج اور داخلی اصولوں کے تابع ہوتا ہے، تو وہ اس کی وسعت اور زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے؛ لیکن جب کوئی زبان دوسری غالب تہذیبوں اور زبانوں سے اِس حد تک مرعوب ہو جائے کہ اپنے الفاظ کے لبادے میں دوسروں کی تراکیب، محاورات اور اسلوبِ فکر کو اوڑھ لے، تو یہ ارتقا نہیں؛ بلکہ ایک خاموش لسانی انحطاط اور تہذیبی یلغار کہلاتا ہے۔ اسی سنگین اور حسّاس موضوع کا بروقت ادراک کرتے ہوئے، **محترم مفتی محمد ہدایت اللہ قاسمی** آسامی صاحب مدّ ظلہ نے اپنی تصنیف "جدید عربی، عربی حروف میں فرنگی زبان" کے ذریعے علمائے کرام اور اہلِ علم کو ایک زبردست فکری جھنجھوڑ دی ہے۔

مصنّف کی یہ کاوش اس لحاظ سے انتہائی لائقِ تحسین اور جرأت مندانہ ہے کہ انھوں نے دورِ حاضر کی "جدید عربی" کی اِس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ یہ زبان اپنے الفاظ میں تو عربی نظر آتی ہے؛ لیکن اس کی روح، تراکیب اور ساخت مکمّل طور پر انگریزی اور فرانسیسی سانچوں میں ڈھل چکی ہے۔ مصنّف نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ان کا اصل موضوع مفردات نہیں؛ بلکہ وہ تراکیب و ساخت ہیں جن کو دشمنانِ عربیت نے سازش کے تحت داخل کیا ہے۔

انھوں نے نہایت باریک بینی سے عربی زبان کے دو ارتقائی پہلوؤں کو الگ الگ کیا ہے: پہلا طبعی اور اسلامی ارتقا، جو ضرورت کے تحت الفاظ کی وضع کو قبول کرتا ہے، اور دوسرا منصوبہ بند مغربی ارتقا، جس کا

مقصد فصیح عربی کو مسخ کرکے اُس پر فرنگی تراکیب مسلط کرنا ہے۔

کتاب اور اُس پر اٹھنے والے شبہات کے جواب میں (بہ نام: ''جدید عربی اور ازالۂ شبہات'') مصنّف کا جو موقف سامنے آیا ہے، وہ ان کے خلوص اور دردمندی کی واضح دلیل ہے۔ انھوں نے نہایت صراحت کے ساتھ جدید عربی اور قدیم (قرآنی) عربی کے دائرۂ کار کو متعیّن کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک سفارت خانوں، ٹرانسلیشن کی نوکریوں اور کسبِ معاش کے لیے تو جدید عربی کارآمد ہو سکتی ہے؛ لیکن قرآن و سنّت اور دین کے فہم کے لیے قدیم عربی ہی ریڑھ کی ہڈّی کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہی دینی مدارس کا اصل سرمایہ ہے۔

بعض حضرات نے اِس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ کتاب میں دورِ حاضر کے بعض بڑے اہلِ قلم اور اکابر ادبا کی تحریروں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ اس حوالے سے عرض ہے کہ اکابر سے اختلاف کوئی نئی چیز نہیں، ہماری پوری علمی تاریخ ایسے اختلافات سے بھری پڑی ہے، جہاں امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے، اور دیگر اصاغر نے دلائل کی روشنی میں اپنے اکابر سے علمی اختلاف کیا۔ مصنّف نے ان اکابر کی نیتوں پر کوئی حملہ نہیں کیا، بلکہ ان کے خلوص اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے محض اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ انھوں نے عربوں سے حسنِ ظن کی بنا پر ان کی جدید تحریروں اور اسالیب کو اپنا لیا، حالاں کہ وہ اسالیب دراصل مغربی استشراقی اثرات کا نتیجہ تھے۔ حق کی تلاش میں مصنّف کا اخلاص اس بات سے بھی جھلکتا ہے کہ انھوں نے خود اپنی سابقہ تحریروں میں موجود جدید عربی کی فرنگی تعبیرات سے کھلے عام براءت کا اعلان کیا اور محض قرآنی عربی کی حفاظت کی خاطر اپنے پرانے اسلوب کو ترک کر دیا۔

یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ زبان کو بیرونی اثرات سے پاک رکھنے کی یہ کوشش تاریخِ اسلام میں کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ جب ابتدائی صدیوں میں عجمیوں کے اختلاط سے عربی زبان میں بگاڑ پیدا ہونے لگا، تو اسلاف نے زبان کے تحفظ کے لیے اپنے اَدوار میں مخلصانہ کوششیں کیں۔

جس طرح فقہِ اسلامی کے نت نئے مسائل (نوازل) پر غور و فکر کے لیے فقہا اور ماہرین کی کمیٹیاں اور اکیڈمیاں قائم ہیں، اسی طرح وقت کا تقاضا ہے کہ عربی زبان وادب خصوصاً برِّ صغیر کے دینی مدارس میں عربی کے نصاب اور اسلوب پر غور کے لیے ماہرینِ لسانیات اور اکابر علما پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ یہ کمیٹیاں مصنّف کے پیش کردہ دلائل، تراکیب کی ساخت اور مستشرقین کے اثرات کا سنجیدگی سے، ٹھنڈے دل و دماغ

کے ساتھ تجزیہ کریں۔ زبان کا مسئلہ محض انفرادی ذوق کا نہیں؛ بلکہ یہ قرآنی فہم اور دینی بقا کا مسئلہ ہے، اس لیے اسے انفرادی تنقید و تبصرے سے بالاتر ہوکر ایک اجتماعی اور ادارہ جاتی سطح پر زیرِ بحث لایا جانا چاہیے۔

ہر اصلاحی تحریک کے آغاز میں جذبات کی شدّت اور غیرتِ دینی کے سبب لب و لہجے میں بعض اوقات سختی آجانا ایک طبعی امر ہے۔ خود مصنّف نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شدّتِ غیرت کے سبب بعض مقامات پر ان کی تعبیرات سخت ہوگئیں، جنھیں وہ آئندہ طباعت میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا قارئین، طلبہ اور اساتذہ کرام سے یہ پر خلوص گزارش ہے کہ وہ فروعی چیزوں (مثلاً لہجے کی سختی یا شخصیات کے تذکرے) کو نظر انداز کرتے ہوئے کتاب کے اصل مقاصد، اس کے پیش کردہ ٹھوس دلائل، اور موضوع کی حسّاسیت پر اپنی توجّہ مرکوز رکھیں۔ یہ کتاب کسی کو نیچا دکھانے کے لیے نہیں؛ بلکہ خالصتاً اس "قرآنی اور قدیم عربی" کے تحفظ کے لیے لکھی گئی ہے جو ہمارے دین کی اساس ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ **"جدید عربی، عربی حروف میں فرنگی زبان"** ایک محض تنقیدی کتاب نہیں؛ بلکہ یہ ایک دعوتِ فکر اور اصلاحِ زبان کا ایک مدلل منشور ہے۔ مصنّف نے انتہائی محنت و مشقّت کے ساتھ حقائق کو جمع کیا ہے، اور تنقیدِ محض کے بجائے فصیح عربی کا متبادل شعور بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کھلے ذہن اور وسعتِ قلبی کے ساتھ کیا جائے؛ تاکہ ہم اپنی تحریروں کو اُن فرنگی اثرات سے پاک کر سکیں جو خاموشی سے ہماری زبان میں در آئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت مولانا محمد ہدایت اللہ قاسمی صاحب کی اِس مخلصانہ اور عظیم علمی جدّوجہد کو شرفِ قبولیت سے نوازے، ان کے قلم میں مزید برکت عطا فرمائے اور اس کتاب کو مدارسِ اسلامیہ اور عربی کے طلبہ و اساتذہ کے لیے خالص عربی ذوق کی ترویج کا ایک مؤثّر اور مبارک ذریعہ بنائے۔ آمین!

والسلام

ابو بکر بن مصطفی پٹنی / ڈابھیل

۲۴ / شوال / ۱۴۴۷ھ

۱۴ / اپریل / ۲۰۲٦ء